شہیدِ علم وآگہی
پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

محمد سہیل شفیق ☆

استادِ محترم، محقق ومفسر، مفکرِ قرآن، پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کو شہادت کا رتبۂ عظیم مبارک ہو۔ان کی شہادت نے یہ ثابت کردیا کہ تنگ نظری، تعصب اور جہالت کے اندھیرے انھیں علم وآگہی کے راستے پر آگے بڑھنے سے روکنے میں ناکام رہے اور بالآخر اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے انھیں راستے سے ہٹانے پر مجبور ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے جہاں انھیں دنیا میں مرتبے اور اعزازات سے نوازا تھا ایک اور تمغہ، تمغۂ شہادت انھیں عطا کردیا۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج میرے استاد تھے۔میں ان سے شاگرد کی حیثیت سے ملا کرتا تھا اور وہ مجھ سے دوستوں کی طرح برتاؤ کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں ان کا پی ایچ۔ڈی کا پہلا شاگرد ہوں۔ جب بھی وہ دیگر شاگردوں یا دوستوں سے میرا تعارف کراتے تھے تو ضرور اس بات کا تذکرہ کرتے کہ ان کے پی ایچ۔ڈی کے شاگردوں میں مجھے اوّلیت حاصل ہے۔ساتھ ہی ساتھ میری کتابوں اور مضامین کا ذکر بھی ضرور کیا کرتے۔... من آنم کہ من دانم... میں کہ ایک طفلِ مکتب... لیکن تعارف وہ میری علمی حیثیت کے مطابق نہیں اپنی علمی شان کے مطابق کرایا کرتے تھے۔

۱۸/ ستمبر ۲۰۱۴ء کی صبح قریباً ساڑھے دس بجے دہشت گردوں نے انھیں نشانہ بنایا۔لیکن ۱۸/ ستمبر کو ہونے والی یہ ٹارگٹ کلنگ پہلی بار نہیں تھی۔انھیں کئی بار ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ان کا جرم کیا تھا؟؟؟ ان کا جرم بہت بڑا تھا اور وہ یہ کہ انھوں نے ایک ایسے معاشرے میں جہاں مکالمہ کے بجائے مناظرے کو ترجیح دی جاتی ہے، جہاں حقیقت کے بجائے خرافات کو پسند کیا جاتا ہے، جہاں میرٹ کو رسوا اور عدل وانصاف کو قدموں تلے روندا جاتا ہے۔وہاں انھوں نے تحقیق وجستجو اور علم وآگہی کے چراغ جلا کر

☆ ڈاکٹر حافظ محمد سہیل شفیق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

ہواؤں کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

ڈاکٹر اوج کا قتل محض ایک فرد کا قتل نہیں تھا۔ یہ علم ودانش، تحقیق وجستجو، اصول پسندی، دیانت داری، میرٹ کی پاسداری، محنت کی عظمت کا قتل تھا۔ جو پہلے بھی کئی بار کیا گیا۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں انہیں بار بار ٹارگٹ کلرز کا سامنا کرنا پڑا۔ معاملہ حریت فکر اور جرات اظہار کا ہو یا پروفیسر شپ، ڈین شپ، پی ایچ۔ ڈی، یا ڈی۔لٹ کا، ہر مرحلے پر ان کے سامنے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کیے گئے، ناانصافی کی گئی۔ لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ظلم بھی سہیں اور بغاوت بھی نہ کریں، ان کے ساتھ ناانصافی ہو اور وہ صدائے احتجاج بھی بلند نہ کریں۔ انھوں نے عملی طور پر بھی احتجاج کیا اور اپنے جذبات کو منظوم صورت میں قرطاس پر بھی منتقل کیا۔ جامعات میں سرقہ بازی، اسناد و دیگر دستاویزات میں جعل سازی کے باوجود مناصب جلیلہ و جمیلہ پر فائز ہونے والوں کے خلاف ۲۰۱۲ء میں ایک نظم لکھی، جس کا عنوان تھا 'احتجاج'۔ لکھتے ہیں:

میرٹ کا یاں قتل ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف
خود منصف نے قتل کیا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

جعلی ڈگری، جعلی تھیسس اور ہے آئی ڈی کارڈ بھی فیک
اس پر بھی تو ڈین بنا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

ریسرچ پیپرز سارے سرقہ، ڈھیٹ کو اس سے پروا کیا
جھوٹ یہاں معیار ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

ڈرائیونگ سیٹ پہ جا بیٹھا ہے آنکھوں سے جو اندھا ہے
ایسا کب اندھیر ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

جس نے کرپشن کی ہے زیادہ منصب اس کا اونچا ہے
جو آنسٹ ہے شرمندہ ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

اونچے منصب دارو! سن لو کچھ تو رب کا خوف کرو
تم نے ہی یہ پاپ کیا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

قوم کو دھوکہ دینے والو! بہتر ہے استعفیٰ دو
شہر میں کیسا راج ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

مجرم پر کوئی آنچ نہ آئے جانے دو خاموش رہو
کیسا یہ سنسار ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

صرف نظر جو مجرم سے ہے اس کا رن یہ حال ہوا
مجرم ہر بے باک ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

باتیں علم ودانش کی اور پشت پناہی مجرم کی
جو بھی ہے حیران ہوا ہے پرچہ کٹائیں کس کے خلاف

اپنی اَنا کے بت کو توڑو نسلیں مت برباد کرو
ہم نے بھی اب ٹھان لیا ہے پرچہ کٹے گا اس کے خلاف

۱۰/ جنوری ۲۰۱۳ء کو انھوں نے درج ذیل نظم اپنی ڈائری میں لکھی:

نہیں شکوہ شکایت نا ہی ہے مجھ کو گِلہ اُس سے
توقع تھی مجھے کہ پاؤں گا یہ ہی صلہ اُس سے
وہ مارِ آستیں اب کے گریباں تک آپہنچا!
بھلا کیسے نہیں رکھتا میں امیدِ جفا اُس سے
وہ میرے قتل پر انگیخت کرنا اُس کا لوگوں کو

خدا نے چھین لی ہے غالباً شرم و حیا اُس سے
مجھے قرآن کا گستاخ اور مُرتد وہ کہتا تھا
اُسے معلوم تھا کہ ہو رہی ہے کیا خطا اُس سے
میں تنہا بیٹھتا تھا کئی پہر، وہ جانتا ہوگا!
مگر وہ آسکا نہ ہوسکا یہ حوصلہ اُس سے
جو ہو قرآں سے وابستہ، محافظ ہے خدا اُس کا!
اسی باعث میں لمحہ بھر بھی نہ بالکل ڈرا اُس سے
جو اُس نے تہمتیں باندھیں، میرے بارے میں جو لکھا!
مرا ایماں ہے، روزِ حشر پوچھے گا خدا اُس سے
میں حق پر ہوں، میں سچا ہوں، مرے سب دوست ہیں واقف
وہ باطل ہے کرے کچھ بھی، میری ہوگی فتح اُس سے

فتح ڈاکٹر شکیل اوج ہی کی ہوئی۔ وہ اپنے حق کے لیے لڑنا جانتے تھے اور مردانہ وار مقابلہ کیا کرتے تھے۔ جو ان کا حق تھا وہ انھوں نے حاصل کیا۔ کسی زمینی خدا کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ حاسدوں کے لیے ان کی زندگی بھی تکلیف کا باعث تھی، موت بھی ان کے حسد میں اضافہ کا سبب ہی بنی کہ شہادت ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتی۔ حریت فکر اور جرات اظہار ان کا خاصہ تھی۔ اظہارِ حق میں سامنے والے سے مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے۔ کسی کا بلند مرتبہ یا اعلیٰ منصب انہیں حق بات کہنے سے روک نہیں سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ:

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

والا معاملہ تھا۔ ایک نظم میں لکھتے ہیں:

ہجومِ سیاست کی باطل پسندی
ہم حق کی شہادت کو ترسا کیے ہیں
جہاں پر ملے سب کو عزّت کی روٹی
ہم ایسی ریاست کو ترسا کیے ہیں
یہاں عدل رخصت ہوا ہے جبھی تو
وقوعِ قیامت کو ترسا کیے ہیں
صدائے 'تعالوا' کی پھر ہے ضرورت!

سـواءؐ کی دعوت کو ترسا کیے ہیں
پھر روحِ حریت کو بیدار کردے
ہم غیرت، حمیّت کو ترسا کیے ہیں
شکستہ ہوا شیشۂ دل ہمارا!
ہم اپنی ہی صورت کو ترسا کیے ہیں

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج ابن عبدالحمید خان یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں علوم اسلامی (فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن) میں اور ۱۹۹۰ء میں صحافت میں ایم۔اے۔ کی سند حاصل کی۔ ۲۰۰۰ء میں علومِ اسلامی میں ''قرآن مجید کے آٹھ منتخب تراجم کا تقابلی مطالعہ'' کے موضوع پر پی ایچ۔ ڈی کیا۔ ۲۰۱۴ء میں ڈی۔لٹ کی سند حاصل کی۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ علومِ اسلامی میں ڈی۔لٹ کی سند حاصل کرنے والے صوبۂ سندھ کے پہلے، پاکستان کے دوسرے اور برعظیم پاک و ہند کے تیسرے فرد تھے۔

۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۵ء تک وفاقی گورنمنٹ اردو کالج (حالیہ وفاقی اردو یونیورسٹی) میں اور ۱۹۹۵ء سے تادمِ آخر جامعہ کراچی میں تدریسی و تحقیقی خدمات انجام دیں۔ آپ کے زیرِ نگرانی ۱۶ طلباء نے پی ایچ۔ڈی، ایک طالب علم نے ایم۔فل مکمل کیا جبکہ ۲۱ طلباء آپ کے زیرِ نگرانی ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی اسناد کے حصول کے لیے اپنے اپنے تحقیقی کاموں میں مصروفِ عمل تھے۔ آپ کئی اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی اداروں، رسائل و جرائد سے بھی وابستہ اور بہت فعّال تھے۔ الغرض اپنی مختصر زندگی میں ہمہ دم متحرک، فعّال اور مصروفِ عمل رہے۔ بے شمار اعزازات و انعامات حاصل کیے۔ متعدد تعلیمی اداروں (بشمول جامعات، دارالعلوم و دینی مدارس) میں توسیعی لیکچرز دیے۔ لاتعداد ٹی۔وی پروگرامز میں بحیثیت دینی علوم کے ماہر کے شرکت کی۔ بحیثیت مشیر امورِ طلباء، سیکریٹری مسجد کمیٹی، ممبر اعلیٰ اختیاراتی کمیشن، ممبر سٹاف کلب کمیٹی، ڈائرکٹر مسندِ سیرت، صدرِ شعبۂ قرآن و سنہ، صدر شعبۂ علومِ اسلامی، رئیس کلیہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی اور بحیثیت ممبر سینیٹ، وفاقی اردو یونیورسٹی بھی اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔ ۸۶ تحقیقی مقالات، ۱۵ کتابیں اور ۷۳ مضامین شائع ہوئے۔ ۴ بین الاقوامی کانفرنسوں اور ۴۳ قومی کانفرنسوں، سیمینارز اور ورکشاپس میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔

ڈاکٹر اوج اپنی فکر کو بیان کرنے میں ہچکچاتے تھے نہ کسی سے خوف کھاتے تھے، اپنی علمی وسعت کے مطابق جو حق جانتے تھے اسے بے دریغ بیان کرتے تھے۔ ان کا خود یہ کہنا تھا کہ:

چاہے کوئی رسوا کرے ہم کو یا نیک نام
ہم تو کسی بھی بات کی پروا نہیں کرتے

ڈاکٹر شکیل اوج کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ علمی معاملات میں اختلاف دلائل کی بنیاد پر اور شائستگی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ راقم اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہے بعض جدید فقہی مسائل میں اسے استادِ محترم سے جزوی اور بعض اوقات کلی اختلاف بھی

رہا لیکن ڈاکٹر صاحب نے کبھی اپنی رائے مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہمیشہ مخالف نقطۂ نظر کو ایک اچھے سامع کی طرح تحمل سے سنتے، شائستگی سے اختلاف کرتے اور شرح وبسط کے ساتھ اپنے موقف کو بیان کرتے لیکن اپنی رائے کو تسلیم کرنے پر اصرار نہ کرتے۔

جب رئیس کلیہ علوم اسلامی کا منصب سنبھالا تو آپ کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہوگیا اور لوگوں کی آمد ورفت میں بھی۔ البتہ راقم کی ملاقاتیں کم ہوگئیں۔ سر نے بھی محسوس کیا اور دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے اور لوگوں کی آمد ورفت تو بڑھ گئی ہے لیکن آپ کی کم۔ عرض کیا کہ آپ مصروف ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کام ہو تو آپ جب چاہیں بلا لیا کریں۔ پھر یہی ہوتا کہ سر خود فون کر کے بلا لیتے یا میں سر کو فون کر کے یا ایس ایم ایس کر کے پوچھ لیا کرتا کہ سر اگر آپ مصروف نہ ہوں تو میں آجاؤں۔ کچھ ہی دیر میں سر کا ایس ایم ایس آجاتا کہ آجاؤ۔

قرآن کریم کے تراجم، تفاسیر، احادیث، فقہ اور سیرت طیبہ ﷺ آپ کی دلچسپی کے خاص موضوعات تھے۔ مختلف تفاسیر قرآن، جدید فقہی مسائل، معاشرتی وسماجی امور ومعاملات پر متعدد تحقیقی مقالات لکھے جو ملکی وبین الاقوامی علمی وتحقیقی رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔ سیرت کے موضوع پر صاحبِ قرآن ﷺ کے عنوان سے اپنے مقالات کو ترتیب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شعر گوئی کی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ نعتیں بھی کہیں اور غزلیں اور نظمیں بھی۔ نعت کا ایک شعر جو استاذِ محترم کی ذات رسالتمآب ﷺ سے محبت کا اظہار بھی ہے اور ان کے عقیدے کا بیان بھی:

میسّر ہوا جس کو عشقِ نبی ﷺ
وہ سمجھے کہ دنیا ہی جنت ہوئی

ایک نعت کے چند اشعار بھی ملاحظہ کیجیے:

لطف اُن کا عام ہوگیا — اور سب کا کام ہوگیا
وِرد اُن کا نام ہوگیا — قلب کو آرام ہوگیا
ان کے نعت خوانوں میں — اوجؔ تیرا نام ہوگیا

(۱۷، فروری ۱۹۸۳ء)

التفسیر کے ۲۳ ویں شمارے میں جو کہ ان کی ادارت میں شائع ہونے والا آخری شمارہ تھا۔ پاک وہند کے ۱۹ مفسرین اور ان کی تفسیرات پر خصوصی شمارہ شائع کیا۔ اس خصوصی اشاعت میں کم وبیش دو سو سال کے دوران ہونے والے قرآن مجید پر، بہت سے تحریری کاموں میں سے بعض کاموں پر مقالات یکجا کیے گئے۔ اس کے اداریے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ اگر اس مجموعے میں بعض دیگر علماء اور مفسرین پر بھی مقالات ہوتے تو یہ مجموعہ یقیناً زیادہ وقیع اور جامع ہوتا۔ ساتھ ہی کئی ایسے ناموں کی فہرست بھی دیتے ہوئے انھوں نے لکھا:

''اوپر جو میں نے ایک مختصر سی فہرست دی ہے اس میں عقائد ونظریات کے پہلو سے اکثر ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے ہیں۔ ان کے زمان ومکان میں بھی اختلاف ہے۔ گو ان میں بعض ہمعصر بھی ہیں۔

مگر نقطۂ نظر کے فرق کے سبب وہ سب اپنا جداگانہ مقام رکھتے ہیں۔ میں ان تمام ہی حضرات کے تفسیری و تفہیمی کام کو ملّتِ اسلامیہ کا مشترک علمی سرمایہ سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کو اس علمی خزانے سے بغیر کسی تعصب کے استفادہ کرنا چاہیے کہ تقابلی مطالعہ کے سبب ہی بسا اوقات قرآن فہمی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور مسلسل مطالعہ اور غور و فکر سے لوگوں کی سوچ میں وسعت اور فکر میں رواداری پیدا ہوتی ہے۔

میں نے اس خصوصی اشاعت میں جو بزمِ مفسرین سجائی ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ شروع شروع میں مفسرین کی تفسیرات ہی قرآن فہمی کا وسیلہ بنتی ہیں اور یوں صاحبانِ ذوق براہِ راست کلامِ الٰہی سے جڑ جاتے ہیں اور میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ لوگ کلامِ الٰہی سے وابستہ ہو جائیں اور میرا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں ملّتِ اسلامیہ کو جسدِ واحد کی طرح دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اسم کا مسمّٰی اسی صورت میں ممکن نظر آتا ہے۔'' (ص ۸)

استاذِ من اپنے تلامذہ کی حوصلہ افزائی بہت فراخ دلی سے کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ علم و آگہی کے اس بلند مقام پر تھے جہاں انھیں کسی اور کی عظمت و شہرت سے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ علم نواز، علم دوست اور اہلِ دانش کے سچے قدر دان تھے۔ ان کی ایک بڑی خوبی اعلیٰ ظرفی تھی۔ کسی کی خوبیوں کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا کرتے تھے۔ جب کبھی میرا کوئی مضمون یا کتاب شائع ہوئی یا میری کسی کتاب پر تبصرہ شائع ہوا، انھوں نے دل کھول کر داد و تحسین اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ یہ دعا ضرور دیا کرتے تھے: اللھم زد فزد۔

وہ اس بات کے کبھی منتظر نہیں رہے کہ میں انھیں اپنے کسی کام کی اطلاع دوں تو وہ مبارکباد دیں۔ اگر پہلے ہی ان کے علم میں آجاتا تو خود فون کر کے مبارکباد دیا کرتے۔ میرا ایک مضمون ''مدرسہ نظامیہ بغداد'' معارف اعظم گڑھ (انڈیا) سے شائع ہوا۔ میرے علم میں نہیں تھا۔ سال بھر پہلے معارف میں اشاعت کے لیے بھیجا تھا۔ اب تک بھول چکا تھا۔ جب شائع ہوا تو میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس کی اطلاع اور مبارکباد ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایس ایم ایس کے ذریعے دی۔ اسی طرح میرا ایک چھوٹا سا مضمون ''سلطان سلیمان اعظم'' سے متعلق ''دعوہ'' اسلام آباد سے شائع ہوا، میرے علم میں نہیں تھا۔ انھوں نے خود فون کر کے مبارکباد دی۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کہا آجاؤ آ کر لے جاؤ۔ میں گیا تو اپنی ہی کاپی مجھے عنایت کر دی۔

میری درخواست پر اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود میری کتاب ''اشاریہ جہانِ حمد'' کا پیش لفظ وی سی آفس کی انتظار گاہ میں بیٹھ کر قلم برداشتہ لکھا اور میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ چند سطور ملاحظہ کیجیے:

''..... اشاریہ معارف اعظم گڑھ، میرے عزیز القدر بلکہ اب عظیم القدر شاگرد، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق نے ترتیب دیا تھا۔ اتنا وسیع و بسیط کام دیکھ کر مرتب کے لیے دل سے تحسین نکلی تھی اور خوشگوار حیرت کا احساس الگ ہو رہا تھا کہ جو کام کسی ادارے کے کرنے کا تھا وہ تنہا اس نوجوان نے کیسے انجام دے دیا۔ اس لیے اب مجھے اس کے ایسے کسی کام پر کبھی حیرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ وہ چیز ہے، جو زندگی میں پہلی بار ہی ہوتی

ہے، بار بار نہیں ہوتی۔

اشاریہ ''جہانِ حمد''، بلاشبہ ایک ایسا ہی کام ہے۔ جسے انتہائی مہارت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ ایسا کام ''نعت رنگ'' کے لیے کر چکے ہیں۔ بلاشبہ انھیں اپنے اس کام میں خصوصی ملکہ اور درک حاصل ہے ان جیسا اشاریہ، شاید ہی کسی نے مرتب کیا ہو کیونکہ وہ اپنے اشاریہ میں جتنے پہلوؤں اور جزئیات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اتنا الحاظ کسی اور کے ہاں نہیں ملتا۔

میرے نزدیک اس فن میں انھیں اختصاص کا درجہ حاصل ہے فقط ڈگریوں کے حصول کی غرض سے کام کرنے والے 'اسکالروں' کی وجہ سے تحقیقی مقالوں کے معیار میں جو ابتری آئی ہے۔ اُس کے پیشِ نظر میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ سہیل شفیق کا یہ کام کسی طرح بھی ایم۔فل کی سطح سے کم نہیں ہے گو اب انھیں اس کی ضرورت نہیں۔ ماشاءاللہ پہلے ہی پی ایچ۔ڈی۔ ہیں اور کام بھی اسی کے معیار کے منتخب کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں میں اپنے اس فاضل تلمیذ پر فخر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ اپنے سایۂ عاطفت میں رکھے۔ دین و دنیا میں سُرخرو کرے اور علمی فتوحات سے نوازے اور نوازتا چلا جائے۔''

اپنی کامیابیوں میں بھی اپنے شاگردوں، دوستوں اور احباب کو شریک رکھا کرتے۔ ڈی۔لٹ کی ڈگری عطا ہوئی تو خود فون کر کے اطلاع دی، 'تمغۂ امتیاز' عطا ہوا تو اخبار کے ذریعے بعد میں پتہ چلا، پہلے انھوں نے خود فون کر کے اطلاع دی اور مبارکباد وصول کی۔ کچھ دن بعد باقاعدہ مبارکباد دینے کے لیے گھر پہنچا تو ہمیشہ کی طرح بہت خاطر مدارات کی۔ کتب خانہ دکھایا جہاں کتابوں کے لیے مزید شیلف بنوائے تھے، وہیں بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اپنی نئی آنے والی کتابوں اور التفسیر کے آنے والے شمارے کے بارے میں، مستقبل کے تحقیقی منصوبوں کے بارے میں۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ نہ صرف دوستوں کے دوست بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ دوستوں کے دوستوں کو بھی عزیز رکھا کرتے تھے اور دوستوں کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھا کرتے تھے۔ راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ شکیل اوج صاحب نے ہمیشہ اس کے دوستوں کو عزت و احترام اور محبت سے نوازا، اسی طرح راقم کے بدخواہوں کو خود سے دور رکھا اور باوجود کوشش کے انھیں قریب نہ ہونے دیا۔ جبکہ مصلحتوں کے شکار اور ذاتی مفادات کے لیے سرگرداں اور منفعت کے حصول میں حریص اس معاشرے میں ایسا شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

آخری ملاقات: ۱۸ ستمبر کو اپنے شعبہ کی طرف جاتے ہوئے میں اتفاقاً شعبہ علومِ اسلامیہ کی سڑک کی طرف جا نکلا۔ دیکھا کہ سامنے ڈاکٹر شکیل اوج صاحب تیار کھڑے ہیں، کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں تو میں گاڑی ایک طرف روک کر اتر گیا۔ وہ خود بھی جب بھی کبھی راستے میں ملتے تو ضرور گاڑی روک کر ملاقات کرتے۔ میں قریب پہنچا تو قریب کھڑے ایک صاحب نے سر سے کہا کہ سہیل شفق صاحب بھی آ گئے ہیں؟ وہ سمجھے کہ شاید تقریب میں جانے کے لیے میرا بھی انتظار ہو رہا تھا۔ سر نے ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے

مسکراتے ہوئے معانقہ کیا اور ان صاحب سے کہا کہ نہیں سہیل شفیق مصروف ہیں انھوں نے پہلے بتا دیا تھا کہ وہ نہیں جا سکیں گے۔ پھر سر نے مجھ سے خیریت دریافت کی۔

میں نے سر سے پوچھا: ''سر! کارڈز آ گئے ہیں؟''

نہیں! آج مل جائیں گے۔ آپ آ جانا۔

ٹھیک ہے سر! میں آ جاؤں گا۔

میں جانے لگا تو سر نے روکا اور کہا: آڈٹ رپورٹ بھی دیکھنی ہے۔

میں نے کہا ٹھیک ہے سر! آپ تقریب سے آ جائیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔

میں کال کر دوں گا۔ سر نے کہا۔

میں اپنے شعبہ کی جانب چلا گیا اور سر تقریب میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔

پندرہ منٹ بعد یونیورسٹی کے ایک ساتھی (ڈاکٹر اسامہ شفیق، شعبہ معاشیات) کی کال آئی اور انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کہاں ہیں؟ میں نے بتایا کہ وہ ابھی خانہ فرہنگ ایران کی تقریب میں شرکت کے لیے نکلے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ راستے میں فائرنگ کی اطلاع ملی ہے آپ کنفرم کریں۔ میں نے پریشان ہو کر سر کے تلمیذ رشید ڈاکٹر شاکر حسین خان کو فون کیا جو سر کے ساتھ ہی تقریب میں شرکت کے لیے نکلے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ دوسری گاڑی میں سوار ہیں اور دوسرے راستے سے آگے نکل آئے ہیں۔ لیکن انھیں بھی ایسی ہی اطلاع ملی ہے کہ سر زخمی ہوئے ہیں اور انھیں قریبی ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی میں فوراً ہسپتال جانے کے لیے نکلا۔ راستے ہی میں سر کی شہادت کی خبر مل گئی۔ ہسپتال پہنچا تو وائس چانسلر صاحب، اور کئی اساتذہ وہاں پہنچ چکے تھے۔ ہر ایک صدمہ اور غیر یقینی کی کیفیت میں تھا۔

سر نے کال کرنے کا کہا تھا لیکن سر کی کال نہیں آئی ..... سر آپ نے پہلے تو کبھی ایسے نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کے طفیل میں ان کی بشری لغزشوں سے درگزر کر کے اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃً واسعۃً۔ (آمین)